فنِ ترجمہ کے ارتقاء میں مسلمانوں کا کردار: "بیت الحکمت" کی خدمات کا تجزیاتی مطالعہ

The Muslims role in the evolution of translation art: An analytical study of the contribution of "Bait ul Hikmat"

ڈاکٹر محمد ریاض محمود[i]   ممتاز خان[ii]

Abstract

The Muslims have always played an active and multi-dimentional role for the welfare and promotion of educational and academic advancements. They not only made the best possible use of the Islamic sources of knowledge and information but also availed all the available academic and literary sources of the primitive civilizations and religious literature of the other nations. They introduced and promoted the art of translation in this regard.

During the Abbysseds period, an important institution "Bait ul Hikmat" was inaugurated. The people belonging to all the religions, cultures, civilizations and different parts of the world served in this great institution. The Abbysseds spent unlimited material resources in this regard and subsequently became the forerunners and torchbearers of the educational and academic universe. An impartial study and analysis of the progress and services of this institution is being presented in this research article.

***Key Words**: Bait ul Hikmat, Abbysseds, art of translation, Muslim institutions.*

i لیکچرار، شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف گجرات، گجرات

ii پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اسلامیات، عبدالولی خان یونیورسٹی مردان

انسانی تمدن کے ارتقاء میں جن قدیم تہذیبوں نے شاندار کردار ادا کیا ان میں یونانی، رومی ،ایرانی، مصری، چینی اور ہندی تہذیبیں خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔اس تاریخی حقیقت کا اعتراف کیا جانا چاہیے کہ کوئی بھی تہذیب مکمل طور پر ختم نہیں ہوتی بلکہ فکری جمود کی وجہ سے پس منظر میں چلی جاتی ہے اور پھر آخر کار اسی تہذیب کے کھنڈرات پر ایک نئی تہذیب پروان چڑھتی ہے۔اس نقطۂ نظر سے دنیا کی ہر تہذیب نے قدیم تہذیبوں سے استفادہ کیا ہے اور اُن کے مثبت اثرات کو اپنے دامن میں سمیٹنے کی بھرپور کوشش کی ہے، گویا ایک طرف اگر کوئی بھی تہذیب مکمل طور پر ختم نہیں ہوتی تو دوسری طرف کسی بھی تہذیب کو دوبارہ اپنی قدیم شکل میں عُروج حاصل نہیں ہوتا، یہ وہ حقیقت ہے جو اقوام و ملل کے عُروج وزوال کی تاریخ اور اس کے مختلف مراحل سے آگاہ اہلِ دانش سے کسی طور مخفی نہیں۔یہی وجہ ہے کہ اپنے زوال کے بعد دنیا کی کوئی بھی تہذیب دوبارہ عُروج حاصل نہیں کر سکی، تاہم اسلامی تہذیب کو اس اصول سے مستثنیٰ قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ اسلامی تہذیب کو زوال (۱۲۵۸ء/۶۵۶ھ) کے بعد عثمانی ترکوں کے دور میں دوبارہ ایسا عُروج حاصل ہوا جس کی مثال تاریخِ عالم میں ناپید ہے۔اسلامی تہذیب کا شاندار ماضی ہی در حقیقت اس کے دوبارہ عُروج کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

مدینہ طیبہ کی اولین اسلامی ریاست میں جس مثالی تہذیب و تمدن کا بنیادی اور اصولی نقشہ فراہم کیا گیا اس نے عہدِ خلافتِ راشدہ (۱۱ھ-۴۰ھ) اور عہدِ بنی امیہ (۴۱ھ-۱۳۲ھ) میں اپنی تدریجی منازل طے کیں۔ عہد بنی عباس (۱۳۲ھ-۶۵۶ھ) میں مملکتِ اسلامیہ نے بین الاقوامی حیثیت اختیار کر لی جس کی جغرافیائی حدود پھیل کر ایک طرف مغرب میں بحرِ اوقیانوس تک اور مشرق میں چین و ہند تک جا پہنچیں۔اس وسیع و عریض سلطنت میں ترک، پٹھان، سندھی، ایرانی ،کُرد اور عرب ایسی بے شمار قومیں آباد تھیں۔اسلام کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب عیسائیت، بدھ مت ،ہندو مت اور یہودیت وغیرہ کے ماننے والے اسلامی مملکت کے شہری تھے، جو اپنا ایک مخصوص تہذیبی پس منظر رکھتے تھے ۔ مختلف اقوام کے امتزاج نے عباسیوں کے تہذیب و تمدن میں ایک عظیم انقلاب بپا کر دیا۔اسلامی تہذیب نے قدیم اور معاصر تہذیبوں سے بھرپور استفادہ کیا۔ مسلم

حکمرانوں نے دوسری اقوام کے علمی اور فکری سرمائے سے استفادہ کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی ۔اُنہوں نے انسانی عقل و دانش اور فہم وادراک کو آئندہ نسلوں تک پہنچانے میں کسی مذہبی یا نسلی تعصّب وتنگ نظری کو آڑے نہیں آنے دیااور اقوامِ سابقہ کے تحریری سرمائے کو عربی اور دیگر زبانوں میں منتقل کرنے کے لئے ہر ممکن اقدامات کئے۔ یہی علمی جدوجہد مسلمانوں میں فن ترجمہ کے آغاز وارتقاء کا باعث بنی۔ عباسی خلفاء کو یہ اعزاز وامتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے ترجمہ نگاری کی اس روایت کو مضبوط و مستحکم کرنے میں تاریخ ساز کردار ادا کیا۔ یہاں یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہنی چاہئے کہ ترجمہ کی ضرورت کا احساس مسلمانوں کو عہدِ رسالت اور عہدِ خلافتِ راشدہ میں ہی ہو گیا تھا جس کا بخوبی اندازہ درج ذیل واقعات سے کیا جاسکتا ہے۔

1. مسلمان اہلِ کتاب سے استفادہ کرتے تھے، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اہلِ کتاب عبرانی زبان میں تورات کی تلاوت کرتے اور مسلمانوں کے سامنے عربی زبان میں اس کی تشریح پیش کرتے[1]۔
2. حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سُریانی زبان سے واقف تھے، وہ تورات کے سُریانی ترجمہ سے استفادہ کرتے، ان کا معمول تھا کہ ایک دن قرآن کی تلاوت اور ایک دن تورات کا مطالعہ کرتے[2]۔
3. حضرت عمرؓ ایرانی لوگوں سے اکثر ملاقات کیا کرتے اور امورِ سیاست پر مشاورت کیا کرتے۔ ایرانی لوگ آپؓ کو اپنے بادشاہوں کے طریقہ ہائے سیاست پڑھ کر سناتے۔ یاد رہے کہ حضرت عمرؓ کو معروف عجمی بادشاہوں خصوصاً نوشیرواں کے حالات وواقعات سننے کا بہت شوق تھا[3]۔

مسلمانوں کی ترجمہ کے فن سے دلچسپی عہدِ بنوامیہ میں بھی قائم رہی جس کا واضح ثبوت وہ تاریخی روایت ہے جس کے مطابق حضرت امیر معاویہؓ کا ایک کلکٹر (Collector) ابن اثال ایک مشہور طبیب تھے، انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ کے لئے یونانی سے عربی زبان میں متعدد طبّی کتب کے تراجم کیے[4]۔

ترجمہ کی اس تحریک میں چوتھے اموی خلیفہ مروان بن حکم (۶۴ھ-۶۵ھ) کا کردار بھی بڑا اہم ہے۔ اس نے بصرہ کے فارسی الاصل یہودی طبیب ماسرجویہ سے طب کی ایک کتاب کا سریانی سے عربی میں ترجمہ کرایا۔ یہ کتاب اسکندریہ کے ایک عیسائی پادری اہرون نے لکھی تھی۔ یہ کتاب اہرون الاسکندری المعروف بالکناش کے نام سے مسلمانوں میں طب کے موضوع پر پہلی عربی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے[5]۔

ایک اور روایت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے متعلق ہے جس کے مطابق انہوں نے اہرن بن اعین کو ایک فارسی کتابچے کا عربی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا[6]۔

معروف اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے ایک غلام سالم نے سکندر کے نام لکھے گئے ارسطو کے خطوط کا عربی میں ترجمہ کیا۔ خود اس کا بیٹا فارسی کا ماہر تھا، اس نے بہت سی کتب کا فارسی میں ترجمہ کیا[7]۔

اسی طرح ہشام نے عجمی بادشاہوں کے سوانح حیات پر ایک ضخیم کتاب کے ترجمہ کا حکم دیا، یہ ترجمہ ۱۱۳ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا[8]۔

خاندانِ بنوامیہ نے فن ترجمہ کے ارتقاء میں کیا کردار ادا کیا اس کا اندازہ خالد بن یزید بن امیر معاویہ کی خدمات سے ہوتا ہے۔ وہ خطیب، شاعر، فصیح اللسان، صاحب رائے، عظیم الشان سائنس دان اور کیمیا گر تھا، ابن ندیم صاحب "الفہرست" نے اسے حکیم آلِ مروان قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ مسلمانوں میں کیمیا گری پر سب سے پہلے اسی شخص نے کام کیا۔ وہ بذاتِ خود ایک فاضل آدمی تھا اور علوم سے اہتمام و تعلق خاطر رکھتا تھا۔ اس کے دل میں کیمیا گری کے خیال نے کروٹ لی تو ان یونانی فلاسفہ کے ایک گروہ کو بلا بھیجا جو مصر میں اقامت پذیر تھے اور عربی میں فصیح اللسان مانے جاتے تھے۔ انہیں کیمیا گری کے موضوع پر مشتمل کتابوں کو یونانی اور قبطی زبان سے عربی کے قالب میں ڈھالنے پر مامور کیا۔ عہد اسلامی میں یہ پہلا ترجمہ تھا جو ایک زبان سے دوسری زبان میں ہوا[9]۔

خالد بن یزید نے ترجمہ نگاری سے متعلق جو خدمات انجام دیں اُن کی حیثیت جزوی اور انفرادی نوعیت کی تھی مگر ترجمہ نگاری کو ادارہ جاتی انداز میں فروغ دینے کا سہرا عباسی خلفاء کے سر ہی ہے۔ اس فن کی آبیاری کے باقاعدہ انتظامات کا آغاز خلیفہ ہارون الرشیدؒ کی کوششوں سے ہوا جس نے "بیت الحکمت" کے نام سے اپنے دار الخلافہ یعنی بغداد میں ایک عظیم الشان علمی و تحقیقی ادارہ قائم کیا۔ بعض مؤرخین خصوصاً مستشرقین کا یہ خیال خلافِ حقیقت ہے کہ اس ادارے کی بنیاد ہارون الرشید کے بیٹے مامون نے رکھی البتہ اس امر کو تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں کہ "بیت الحکمت" کو بین المذہبی اور بین الاقوامی سطح پر علمی شان و شوکت عطا کرنے میں مامون کا کردار بڑا شاندار تھا۔ مامون نے اس ادارے میں سائنسی تحقیقات اور ترجمہ نگاری کے فروغ کی غرض سے دو لاکھ دینار دیئے نیز ترجمہ شدہ کتب کی نشر و اشاعت اور ان سے استفادہ کے عمل کو آسان بنانے کے لئے ایک عوامی کتب خانہ بھی بنوایا[10]۔

یہاں مترجمین کی ایک پوری فوج بھرتی کی گئی جن کو شاہی خزانے سے ادائیگی کی جاتی تھی۔ شامی، یونانی، پہلوی، سنسکرت اور دیگر زبانوں کی کتب کے عربی میں تراجم کئے گئے[11]۔ دیگر زبانوں سے تراجم کا یہ زرخیز عمل طویل عرصہ تک جاری رہا۔

مامون نے مترجمین کی خدمات کے صلے میں خزانوں کے منہ کھول دیے اور انہیں معاشی طور پر خوش حال کر دیا۔ عباسی عہد میں اہلِ علم نے جو شاندار خدمات انجام دیں اس کے نتیجے میں سائنس، ادب، آرٹ اور فن ترجمہ کو بے حد فروغ حاصل ہوا[12]۔ اس دور میں اس قدر تمدنی ترقی ہوئی کہ اس کے نتیجے میں جو تمدن ظہور پذیر ہوا، مشرق میں اسی کا نام اسلامی تمدن قرار پایا۔ اسلامی تہذیب نے اپنے دورِ عروج میں طاقت، نظامِ حکومت، انداز و اطوار کی شائستگی، معیارِ حیات، انسانیت پسندانہ قانون سازی، مذہبی بردباری، ادب، علم و فضل، سائنس، طب، اور فلسفہ میں ساری دنیا کی قیادت کی۔ اسی اسلامی تہذیب و تمدن کے شاندار مظاہر نے مسلم امہ کو دنیائے انسانیت کا امام بنا دیا[13]۔ مسلمانوں نے دوسری اقوام سے جو علوم و فنون حاصل کئے ان کو بڑی فراخ دلی کے ساتھ دوسری اقوام کو منتقل کیا، چنانچہ اہلِ یورپ نے اسلامی علوم و فنون سے بھرپور استفادہ کیا۔ یہ انہی علوم کا

فیضان تھا کہ یورپ تاریکی کی اتھاہ گہرائیوں سے نکل کر روشنی کے پُر عظمت اور انقلابی دور میں داخل ہوا۔

اسلامی تہذیب و تمدن کو پہلی دفعہ اس وقت شکست وریخت کا سامنا کرنا پڑا جب ۶۵۶ھ میں تاتاریوں نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی، چنانچہ عباسی خلافت کے خاتمے کے ساتھ ہی اسلامی تہذیب و تمدن کے عُروج کا پہلا دور بھی ختم ہو گیا۔ تاتاریوں کے جنگی جنون کے نتیجے میں عالمِ اسلام کو جس علمی، فکری، معاشرتی اور تہذیبی زوال کا سامنا کرنا پڑا تھا اس کے بعد کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اسلامی تہذیب کو دوبارہ ایسا عُروج حاصل ہو گا، لیکن الہامی اصول و قوانین اور علم دوستی پر مبنی اسلامی فکر و فلسفہ نے فاتحین کے دلوں کو مسخر کر لیا اور پھر "پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے" تاتاریوں کے ہاتھوں مکمل تباہی سے دوچار ہونے کے بعد عثمانی ترکوں کے دور میں اسلامی تہذیب نے دوبارہ عُروج حاصل کیا، اسلامی تہذیب کے دوبارہ عُروج کی یہ داستان تاریخِ عالم کا حیرت انگیز اور اہم ترین واقعہ ہے، تاآنکہ مصطفےٰ کمال پاشا نے ۱۹۲۴ء میں خلافت کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ خلافتِ عباسیہ کی طرح عثمانی خلافت کا خاتمہ دراصل اسلامی تہذیب کے دوسرے سنہری دور کے خاتمے کا باضابطہ اعلان تھا۔

حالات وواقعات کا غیر جانبدارانہ تجزیہ کیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلامی تہذیب و تمدن نے اپنے عُروج کے دونوں ادوار میں اپنی معاصر تہذیبوں پر دو وجوہ کی بناپر غلبہ حاصل کیا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ یہ تہذیب صرف عقل کے بجائے وحی والہام پر مبنی ہے، جس میں غلطی کا کوئی امکان نہیں ہے، اور ایسے اصول و نظریات پر مشتمل ہے جو اٹل اور حتمی ہیں اور اس تہذیب کا اصل تعارف اور پہچان ہیں۔ تہذیبوں کے تقابلی مطالعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اٹل اور پختہ نظریات کا عدمِ وجود ہی مختلف تہذیبوں کے زوال کا باعث بنا۔ اسلامی تہذیب کے عُروج کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس تہذیب کی بنیاد "اجتہاد" کے سنہری اصول پر قائم ہے جو اس کو "قدیم" نہیں ہونے دیتا۔ اسلام نے پیش آمدہ مسائل پر عقلِ انسانی کو ہمیشہ غور و فکر کی دعوت دی ہے اور اس کے نتائج کو تسلیم کیا ہے، حرکت پذیری اور لچک کا یہی وہ اصول ہے جس کی وجہ سے یہ تہذیب ہر دور میں انسانیت کی راہنمائی

کرنے کی مکمل صلاحیت رکھتی ہے۔ ان دو بنیادی وجوہ کے پس منظر میں مسلم مفکرین نے اس نبوی اصول کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا ہے:

"حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے، وہ اس کو جہاں بھی پائے اس کا زیادہ حقدار ہے۔"

چنانچہ مسلم مفکرین نے نہ صرف علمی، فکری اور تہذیبی ارتقاء میں بھرپور کردار ادا کیا بلکہ انہوں نے اسلامی تہذیب کو متحرک ترین تہذیب میں تبدیل کر دیا۔ مسلم مفکرین نے "خذ ما صفا دع ما کدر" کے اصول کے مطابق قدیم اور معاصر فکر و فلسفہ سے بھرپور استفادہ کیا اور کئی نئے علوم و فنون کو بھی دریافت کیا۔ اقوام عالم کی علمی میراث سے بھرپور استفادہ کے لئے فن ترجمہ کا آغاز کیا۔ ''بیت الحکمت'' میں ترجمہ نگاری کے شعبہ کو اس علمی میدان میں دنیا کا اولین شعبہ قرار دیا جائے تو بے جانہ ہو گا۔ اس عظیم ادارے میں سریانی، لاطینی، ہندی، سنسکرت اور انگریزی کتب کا ترجمہ عربی زبان میں کیا جاتا تھا۔ عباسی خلفاء نے مختلف المذاہب علماء و فضلاء کو ساری دنیا سے لا کر بغداد میں اکٹھا کر دیا تھا، اور انہیں دنیا کی جدید ترین سہولیات و مراعات دے رکھی تھیں[14]۔

مسلمانوں کی ترجمہ نگاری کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ صرف ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ ہی نہیں ہے بلکہ اس دوران متون اور افکار و نظریات کی اصلاح کا فریضہ بھی بڑی ذمہ داری سے انجام دیا گیا۔ علوم اسلامیہ کے ارتقاء واستحکام میں فن ترجمہ نے اہم کردار ادا کیا۔ علوم کو مختلف شاخوں میں تقسیم کرنے کا عمل بڑی حد تک فن ترجمہ کا مرہونِ احسان ہے۔ علوم اسلامیہ کی تشکیل و تجدید پر اس مخصوص فن کے واضح و متنوع اثرات ہیں۔ ترجمہ سے متعلق مسلمانوں کی عظیم خدمات ان کی علم دوستی، وسعت نظری، بے تعصبی اور صلاحیت استفادہ کے بھرپور استعمال کا واضح ثبوت ہیں۔ انہی علمی خدمات کے پیش نظر اقوام عالم میں مسلمانوں کو تحسین کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

دورِ حاضر میں اگرچہ اسلامی تہذیب فکری جمود کا شکار ہونے کی وجہ سے زوال کا شکار ہے تاہم اسلامی تہذیب و تمدن اپنی شاندار علمی روایات اور اجتہادی فکر کی وجہ سے دوبارہ عروج حاصل کرنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے، اور خود مغرب کا غیر متعصب دانشور حلقہ، چاہے ان کی تعداد کم

ہی کیوں نہ ہو، مغربی تہذیب کی معاشرتی اور اخلاقی قباحتوں کا اعتراف کرنے پر مجبور ہے اور اسلام کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ اس پس منظر میں ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی تہذیب کا اصل چہرہ اقوامِ عالم کے سامنے پیش کیا جائے۔

دورِ جدید کا فکر و فلسفہ اہلِ مغرب کے تسلط کے زیرِ اثر ہے۔ اکثر مغربی دانشور اپنی تہذیب کو دنیا کی آخری تہذیب قرار دینے پر مصر ہیں۔ امتِ مسلمہ کے علاوہ دنیا کی تمام اقوام نے نظری اور عملی طور پر مغرب کے تہذیبی غلبے کو تسلیم کر لیا ہے۔ اہلِ مغرب کی اکثریت کا دعویٰ ہے کہ مغربی تہذیب انسان کے تہذیبی ارتقاء کی مکمل ترین شکل ہے جس میں بنیادی انسانی حقوق، تعلیم و تربیت اور تہذیبی اقدار کو اس طرح جمع کر دیا گیا ہے کہ اب کسی اور طرزِ زندگی پر اصرار محض جہالت اور تاریک خیالی ہے۔ اس وقت چونکہ مسلمان بحیثیت قوم مغربی تہذیب اور اس کے فکر و فلسفہ کے خلاف شدید مزاحمت کر رہے ہیں اس لئے مغرب کی طرف سے اسلامی تہذیب و تمدن اور اس کی تاریخ کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اور مسلمانوں کے طرزِ زندگی اور علمی و فکری تاریخ پر طرح طرح کے اعتراضات کئے جا رہے ہیں۔ انسانی معاشرے کے ارتقاء میں اسلامی تہذیب نے جو شاندار کردار ادا کیا ہے اس کو محض ایک افسانہ قرار دیا جا رہا ہے۔

بد قسمتی سے اس وقت عالمِ اسلام علمی، فکری اور سیاسی زوال کے بدترین دور سے گزر رہا ہے۔ اسلامی ممالک کے ذہین طلباء کی ایک بڑی تعداد مغرب کے تعلیمی اداروں میں زیرِ تعلیم ہے اور اسلامی فکرو فلسفہ سے ان کی واقفیت کا بڑا ذریعہ وہ کتابیں ہیں جن کو مستشرقین (Orientalists) نے اپنے مخصوص مقاصد کے پیشِ نظر تحریر کیا ہے۔ مستشرقین کی تصنیف کردہ ان کتب میں جو منظر نامہ پیش کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ تاریخِ انسانی میں اسلامی تہذیب نام کی کوئی چیز موجود نہیں نیز مسلمانوں کا ماضی جہالت، علم دشمنی، ذہنی پسماندگی، قتل و غارت، دہشت گردی اور انسانی حقوق کی پامالی سے عبارت ہے۔ اس طرح دینِ اسلام اور اس کی بنیاد پر پروان چڑھنے والی اسلامی تہذیب، انسانی ارتقاء کے تاریک دور کی یادگار ہے۔ بد قسمتی سے دورِ حاضر میں مسلمان نوجوان نسل بڑی تیزی کے ساتھ مغرب کے اس پروپیگنڈا کا شکار ہو رہی ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک طرف تو مغرب کے اعتدال پسند اہلِ علم کے سامنے اسلامی تہذیب کی علمی کارکردگی اور اس کے اثرات کو اسلامی مصادر کی روشنی میں پیش کیا جائے اور دوسری طرف مغربی تہذیب سے ذہنی مرعوبیت کی شکار نوجوان نسل کے سامنے بھی اسلامی تہذیب کا حقیقی چہرہ لایا جائے، تاکہ وہ نہ صرف اپنے شاندار ماضی پر فخر کرنا سیکھیں بلکہ ان میں آگے بڑھنے کا حوصلہ بھی پیدا ہو سکے۔ مفکرین نے تاریخ کو جھیل کے شفاف پانی سے تشبیہ دی ہے جس میں قومیں اپنے ماضی کا عکس دیکھتی ہیں اور مستقبل کی منصوبہ بندی کرتی ہیں۔

اسلامی تہذیب سے متعلق الزامات پر مبنی افکار کی حقیقت کا جائزہ لینے کے لئے اسلامی تہذیب کی تاریخ کا تجزیاتی مطالعہ از حد ضروری ہے۔ اس ضمن میں زیر نظر تحقیقی مضمون کے لئے عہد بنی عباس میں قائم ہونے والے ایک اہم علمی و تحقیقی ادارے یعنی "بیت الحکمت" کا انتخاب کیا گیا ہے کیونکہ کسی بھی تہذیب کے حسن و قبح کو جانچنے کے لئے اس کے دور عروج کا مطالعہ خصوصی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ عہد بنی عباس اسلامی تہذیب و تمدن کے عروج کا اولین دور تھا جس میں سینتیس خلفاء نے سوا پانچ صدیوں (۱۳۲ھ/۶۵۶ھ) تک حکومت کی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب یورپ جہالت، بربریت اور وحشت میں ڈوبا ہوا تھا اور ایشیا و افریقہ میں تہذیب و شائستگی کا شائبہ تک نہ تھا، لوگ گارے اور گھاس کے جھونپڑوں میں رہتے تھے، ان کی گلیاں غلاظت اور جا بجا گندے جوہڑوں پر مشتمل ہوتی تھیں، وہ غسل کرنے کے عمل سے ناآشنا تھے، دنیا کی بڑی بڑی تہذیبیں اور تمدن تباہ ہو چکے تھے۔ اس وقت اسلام کی صورت میں عرب کی سرزمین میں ایک نئی تہذیب نے جنم لیا اور کئی صدیاں پوری انسانیت کی امامت کا فریضہ سرانجام دیا۔ اسلامی تہذیب کے دورِ عروج میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بغداد، کوفہ، سامرہ، بصرہ، دمشق، سمرقند، بخارا، رے اور قاہرہ ایسے شہر اسلامی تہذیب کے مراکز قرار پائے۔ ان عظیم الشان شہروں کی آبادی لاکھوں نفوس پر مشتمل تھی، ان کی سڑکیں اور گلیاں پختہ تھیں، صفائی کا نظام قابل رشک تھا، درسگاہیں علم و عمل کے نور سے جگمگا رہی تھیں، ترجمہ نگاری کے ذریعے ساری دنیا کے علوم تک رسائی حاصل کی جا چکی تھی، صنعت ترقی یافتہ تھی، قصرِ خلافت اپنی شان و شوکت اور آرائش میں بے نظیر تھا، اہل شہر کے لئے

باغات اور تفریح گاہیں ہوتی تھیں۔ مسلمانوں کے ماضی سے متعلق ان حقائق کا جائزہ لینے کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس اہم دور کی تہذیب خصوصاًاس کے علمی و فکری مظاہر کا تجزیاتی مطالعہ کیا جائے۔

لہٰذا معروضی حالات کا تقاضاہے کہ اس مخصوص دور کے علم و فن اوراس ضمن میں خدمات سرانجام دینے والے اہم اداروں اور شخصیات پر موجود تاریخی مواد کو یکجا کیا جائے اور اس کا تجزیاتی مطالعہ کیا جائے کیونکہ اسی دور کے مطالعہ سے عہد حاضر میں اسلامی تہذیب کے علمی پس منظر پر لگنے والے اعتراضات کی حقیقت معلوم کی جاسکتی ہے نیزاس دور کی علمی ترقی ہی عہد بنی عباس کا حقیقی تعارف ہے۔اہلِ دانش کی اسی علمی و فکری ضرورت کی تکمیل کے لئے زیرِ نظر گزارشات کی اشاعت کا انتظام کیا گیا ہے۔

کسی بھی فکر و فلسفہ کے فروغ اورانسانی سماج میں اس کے اثر و نفوذ میں نظامِ تعلیم، جس کے بنیادی کردار استاد، نصاب اور مدرسہ ہیں، کا کردار ہمیشہ بنیادی نوعیت کا رہا ہے، اگرچہ خود رسول اللہ ﷺ ایک چلتا پھرتا مدرسہ تھے، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے دعوت و تبلیغ کے لئے ایک مستقل مرکز کی ضرورت محسوس کی۔ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں یہ کردار مسجد نبوی میں قائم درس گاہ ''صُفّہ'' کو حاصل ہوا۔ جہاں قرآن وسنّت کی تعلیم کے علاوہ فنِ خطّاطی، تیر اندازی، نیزہ بازی اور دیگر سماجی علوم کی تربیت دی جاتی تھی۔ عہدِ رسالت کے بعد خلافتِ راشدہ میں قرآن وسنّت کی نشرواشاعت، مختلف علمی و تکنیکی امور کی وضاحت اور معاشرتی اصلاح کے لیے مختلف بلادِ اسلامیہ میں مدارس اور تدریسی حلقہ جات کے قیام کی طرف خصوصی توجہ دی گئی۔ خاص طور پر حضرت عمر فاروقؓ نے کوفہ، بصرہ، دمشق، فلسطین اور سرزمین مصر کی طرف سرکردہ صحابہ کرامؓ کو روانہ فرمایا تاکہ وہ ان مقامات پر مستقل حلقہ جات قائم کرکے لوگوں کی اصلاح کا فریضہ انجام دے سکیں۔ قرونِ اولیٰ کے یہی مدارس بعد ازاں اسلامی تہذیب و تمدن کا اصل سرچشمہ ثابت ہوئے۔ عباسی خلفاء نے بھی مدارس اور علمی و فکری مراکز کے قیام میں ذاتی دلچسپی لی، چنانچہ اسلامی تہذیب کے اس عہدِ زریں میں تمام بلادِ اسلامیہ میں مدارس کا جال پھیلا دیا گیا۔ ان مدارس نے ادب، سائنس

، طب، موسیقی، آرٹ، مصوری، خطاطی، فن ترجمہ اور دیگر علوم و فنون کے فروغ میں شاندار کردار ادا کیا۔ان مدارس نے علم و ادب کی جو خدمت انجام دی وہ ملتِ اسلامیہ کے ماتھے کا جھومر ہے۔ اسلامی تہذیب کے دورِ عروج میں بغداد اور دیگر شہروں کے تعلیمی اداروں نے نہ صرف اسلامی تہذیب و تمدن کے ارتقاء میں بھر پور کردار ادا کیا ہے ، بلکہ یورپ کو تاریک دور (Dark Ages) سے نکال کر ترقی کی شاہراہ پر گامزن کرنے والے یہی مدارس تھے جن میں "بیت الحکمت" کا نام ممتاز حیثیت کا حامل ہے[15]۔اس تاریخی ادارے نے مختلف علوم وفنون کے آغاز وارتقاء خصوصاً فن ترجمہ کے فروغ واستحکام میں بڑی اہم خدمات انجام دی ہیں۔

عباسی خلافت کے استحکام کے بعد عباسی خلفاء نے اسلامی سلطنت کے تمام شہروں میں علمی اور تعلیمی مراکز کی بنیاد رکھی۔عباسی خلفاء کا عام طریقہ یہ تھا کہ جیسے ہی کوئی نیا شہر فتح ہوتا یا کسی نئے شہر کا سنگِ بنیاد رکھا جاتا تو وہاں سب سے پہلے مسجد اور مدرسہ کی بِنا رکھی جاتی۔اس علمی روایت کو ہارون الرشید اور اس کے بیٹے مامون الرشید نے بڑی سُرعت سے فروغ دیا[16]۔عباسی خلفاء کی علمی سرپرستی کی وجہ سے دو تین صدیوں میں ہی دنیائے اسلام مجتہدین اور محققین سے معمور ہو گئی۔ایسے ممتاز علماء پیدا ہوئے جن کی مثال نہیں ملتی، ہارون الرشید کی علم نوازی کی وجہ سے علماء دور دراز علاقوں سے اس کے دربار میں کھچے چلے آئے،ان علماء وفضلاء نے ‘‘بیت الحکمت’’ کی علمی شان کو چار چاند لگا دیئے[17]۔

ہارون نے یہ عظیم الشان علمی و فنی دار المعارف اپنے قصرِ خُلد میں قائم کیا تھا جس میں منطق، فلسفہ، طب، ریاضی، نجوم اور دیگر علوم وفنون کے علماء وفضلاء سے دوسری زبانوں کی علمی اور فنی کتب کے تراجم کرائے نیز مختلف ممالک میں اہلِ علم کو روانہ کر کے نادر علمی کتب حاصل کیں اور وہاں کے فلاسفہ، اطباء، حکماء اور دیگر علوم کے ماہرین کو بغداد آنے کی دعوت دی تا کہ وہ اس قابلِ قدر علمی و فکری روایت کے ارتقاء میں معاونت کر سکیں۔ ہارون الرشید کے بعد مامون الرشید نے ‘‘بیت الحکمت’’ کی بھرپور سرپرستی کی۔اس نے یونانی فلاسفہ اور اطباء کی کتب منگوا کر عربی زبان میں ترجمہ کروائیں[18]۔

علم و دانش کے اس عظیم مرکز کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس میں خدمات انجام دینے والوں میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم بھی شامل تھے۔ جہاں ان مترجمین میں مسلم علماء یعنی ابو یحیٰ البطریقؒ (۱۹۱ھ/۸۰۶ء)، عمر بن فرخان طبریؒ (۲۰۰ھ/۸۱۵ء)، یحیٰ بن البطریقؒ (۲۲۰ھ/۸۳۵ء)، محمد بن موسیٰ الخوارزمیؒ (۲۲۹ھ)، یعقوب کندیؒ (۲۵۲ھ)، سہیل بن ہارونؒ، سعید بن ہارونؒ اور یوسف الناقلؒ کے نام شامل ہیں وہاں غیر مسلم ماہرین علم و فن یعنی یوحنا بن بطریق (۲۰۰ھ/۸۱۵ء)، عبد المسیح بن الناعمی (۲۲۰ھ/۸۳۵ء)، یوحنا بن ماسوَیہ (۸۵۷ء)، حنین بن اسحاق (۸۷۳ء/۲۶۰ھ یا ۲۶۴ھ)، ثابت بن قرۃ الحرانی (پیدائش ۲۲۱ھ/ ۸۳۶ء)، قُسطا بن لوقا (م ۹۰۰ء)، یوحنا بن بختیشوع (م ۲۹۰ھ/۹۰۳ء)، اسحاق بن حنین (۲۹۸ھ) ، جبریل بن بختیشوع اور ابو سہیل فضل بن نوبخت کا مثبت و متحرک کردار بھی کسی طور نظر انداز نہیں کیا جا سکتا[19]۔

اسلامی تہذیب و تمدن خصوصاً مسلمانوں کے علم و فن کی طویل تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ مسلم تعلیمی و تحقیقی اداروں کی تمام کامرانیوں اور فتوحات میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلموں نے نمایاں حصہ لیا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ غیر مسلم ان کامیابیوں کے ثمرات و برکات سے بھی برابر مستفید ہوتے رہے۔ یوں مسلمانوں کی علمی کاوشوں کے نتیجے میں ایک ایسی تہذیب پروان چڑھی جس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تمیز نہ تھی، مسلمانوں نے غیر مسلموں کو نہ صرف قبول کیا بلکہ ان کو ان کا انفرادی تشخص قائم رکھنے میں پوری آزادی فراہم کی۔ انہیں فعّال شہریوں کی طرح یہ موقع بھی فراہم کیا کہ وہ اس تمدن کی نشو و نما میں سر گرم کردار ادا کریں اور اس کے فوائد سے خوب استفادہ کریں۔

"بیت الحکمت" میں خدمات سر انجام دینے والوں میں ہندوستان کے مترجمین بھی شامل تھے، وہ ہندی اور عربی زبانوں کے ماہر تھے اور یہاں کی علمی و فنی کتب کا ترجمہ کرتے تھے۔ مثلاً ابن دہن ہندی کتابوں کا عربی میں ترجمہ بھی کرتا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ برامکہ کے شفاخانے کا ناظم و مہتمم بھی تھا اور منکتہ الہندی ان مترجمین میں تھا جو اسحاق بن سلیمان بن علی ہاشمی کی ماتحتی میں

''بیت الحکمت'' میں کام کرتے تھے۔ علاوہ ازیں اس ادارے سے وابستہ معروف استاد حجاج بن مطر نے مامون الرشید کے حکم پر طب کی مشہور کتاب "اقلیدس" کا یونانی سے عربی میں ترجمہ کیا۔ نیز ابن شہدی الکرخی نے بقراط کی "کتاب الاجنۃ" کو سریانی سے عربی زبان میں منتقل کیا۔ ایوب بن قاسم نے سریانی زبان سے عربی زبان میں جو کتابیں ترجمہ کیں ان میں منطق کی مشہور کتاب "ایساغوجی" بھی شامل ہے[20]۔

بیت الحکمت میں ترجمہ نگاری کے معاملات کی نوعیت کو سمجھنے کے لئے بہت سی مثالیں کارگر ہوسکتی ہیں۔ اس ضمن میں ایک بہترین مثال یعقوب بن اسحاق کندی (۸۰۱-۸۶۶ء) کی ہے۔ وہ ایک نامور طبیب، منطقی اور فلسفی تھا۔ اس کا والد خلیفہ مہدی اور ہارون الرشید کے عہد میں کوفہ کا امیر تھا۔ جبکہ کندی خود مامون، معتصم، واثق اور متوکل چاروں عباسی خلفاء کے دربار سے وابستہ رہا اور نہایت قدر منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا، مامون کے عہد ہی سے بیت الحکمت میں اس کا تقرر کردیا گیا تھا[21]۔

حکیم عبدالحئی لکھنوی لکھتے ہیں:

> "یعقوب بن اسحاق کندی عرب فلسفی، فن طب اور بعض دوسرے علوم وفنون میں درجہ مہارت کو پہونچا ہوا تھا، مسلمانوں میں اس کے علاوہ کوئی ایسا فلسفی نہیں گزرا ہے جس نے اپنی تصنیفات میں ارسطو کا انداز اختیار کیا ہو، مامون، معتصم اور واثق کے دربار میں اس کی بہت قدرو منزلت تھی[22]۔"

کندی کے علمی کام کا احاطہ واندازہ ایک مشکل امر ہے۔ اس صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے حکیم سید محمد حسان نگرامی لکھتے ہیں:

> "مترجم ومصنف کی حیثیت سے کندی کو زبردست شہرت حاصل ہوئی ہے، ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ اس کے چار شاگردوں نقطویہ، حسنویہ، سلمویہ اور رحمویہ اس کی کتابوں کے نقل کرنے اور مسودات کے صاف کرنے پر مشغول رہتے تھے، فلسفہ، منطق، حساب، موسیقی، علم نجوم، ہندسہ، فلکیات، احکامیات، جدل، نفسیات، سیاسیات اور احداثیات جیسے مضامین پر قفطی نے ۲۲۶ کتابوں کا تذکرہ کیا ہے[23]۔"

ہارون بڑی فراخدلی کے ساتھ ترجمہ کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کیا کرتا تھا۔ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ اپنے جہاد اور فتوحات کے سلسلے میں جو یونانی اور بازنطینی کتابیں وہ ساتھ لایا ہے جو اس سلسلے میں اسے دستیاب ہوئی ہیں، ان سب کا ترجمہ کر ڈالا جائے۔ اس کام کو پایہء تکمیل تک پہنچانے کے لئے اس نے بے اندازہ دولت صرف کی اور انعام واکرام کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس کا یہ ذوق وشوق اور التفاتِ خاص دیکھ کر مملکت کے وزراء اور امراء کس طرح خاموش بیٹھ سکتے تھے، انہوں نے بھی اپنے خلیفہ کی پیروی کی اور غیر زبانوں کی کتابوں کے ترجمے کے سلسلے میں سرمایہ بے دریغ صرف کرنا شروع کر دیا[24]۔ یوں "بیت الحکمت" نے علمی دنیا میں ایک ایسے انقلاب کا بیج بویا جس کے اثرات وثمرات تاہنوز محسوس کئے جا سکتے ہیں۔

عباسی عہد میں قائم ہونے والے اس خالص علمی و تکنیکی ادارے میں فن ترجمہ کے ضمن میں دو اسالیب اختیار کئے گئے۔ ایک اسلوب لفظی جبکہ دوسرا بامحاورہ ترجمہ کا تھا۔ ابتدائی تراجم کا اسلوب لفظی تھا جس میں یونانی کے ہر مفرد لفظ کے نیچے عربی کا مفرد لفظ لکھ دیا جاتا اور کبھی یونانی سے سُریانی میں اور سُریانی سے عربی میں اسی نوعیت کا لفظی ترجمہ کیا جاتا اور جہاں کسی لفظ کا سُریانی یا عربی مترادف نہ ملتا تو یونانی لفظ کو ہی معرّب کر کے استعمال کر لیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تراجم نسبتاً مبہم تھے جنہیں سمجھنا ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور تھا[25]۔

یہ طریقہ زیادہ تر یوحنا ابن بطریق اور عبدالمسیح بن الناعمی نے اختیار کیا[26]۔ لفظی ترجمہ کے نتیجے میں پیش آنے والے مسائل کے حل کے لئے بامحاورہ ترجمہ کو ترجیح دی جانے لگی چنانچہ "بیت الحکمت" میں لفظی تراجم پر نظرِ ثانی بھی کی گئی[27]۔ یوں کسی کتاب کے لفظی ترجمہ پر نظرِ ثانی کے نتیجے میں وجود میں آنے والے بامحاورہ تراجم کی کثرت ہوگئی، ادارہ کی انتظامیہ نے زیادہ مناسب اور قابلِ فہم تراجم کا انتخاب کیا۔ بامحاورہ ترجمہ کا اسلوب زیادہ تر حنین بن اسحاق اور اس کے شاگردوں کے ہاں ملتا ہے[28]، یہی وجہ ہے کہ حنین بن اسحاق اور اس کے شاگردوں کی پوری ٹیم کو ترجمہ نگاری کے ضمن میں جو شہرتِ دوام حاصل ہوئی وہ ابتدائی مترجمین کے حصے میں نہ آ سکی۔

مسلمانوں کی ترجمہ نگاری کی پوری تاریخ اس حقیقت کی آئینہ دار ہے کہ انہوں نے قدیم تہذیبوں اور مذاہب سے حاصل کردہ علوم وفنون کو ایک شاگرد اور مقلد کی حیثیت سے نہیں پڑھا بلکہ انہوں نے قدیم علوم کو دلائل کی کسوٹی پر پرکھا، مشاہدات کئے اور پھر مسلسل تجربات سے نتائج اخذ کئے۔ یوں قدیم علمی ورثہ کو جدید تقاضوں کے سانچے میں ڈھال کر آنے والی نسلوں کی خدمت میں پیش کر دیا۔ مسلمانوں نے نقّالی کے بجائے قدیم علوم کی درست جہتوں کو قبول کر لیا اور جہاں کہیں اصلاح کی ضرورت تھی وہاں اصلاح کا فریضہ انجام دیا۔ بہت سے مقامات پر توضیحات و تشریحات تحریر کر کے قدیم متن کو قابلِ فہم بنایا۔ قدیم انسانی دانش کے تحریری حاصلات کو تحقیق، تنقید، تردید اور تصحیح کے عمل سے گزار کر نہ صرف یہ کہ مفید بنا دیا بلکہ آئندہ نسلوں کی علمی و فکری رہنمائی کے لئے ایک مضبوط و توانا بنیاد فراہم کر دی۔

فنِ ترجمہ سے مسلمانوں کی گہری دلچسپی کے بہت سے اسباب و محرکات ہیں، ان کی تفہیم کے لئے بہت سے مذہبی، سیاسی، معاشرتی اور علمی پہلوؤں کا احاطہ نہایت ضروری ہے، جن میں سے چند کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

1. بنیادی مصادرِ شریعت یعنی قرآن مجید اور احادیثِ نبویؐ میں حصولِ علم اور نظامِ کائنات پر غور و فکر کی جو تعلیمات ملتی ہیں انہیں ساری انسانیت تک پہنچانا مسلم اُمہ کی ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری کی ادائیگی تمام زبانوں سے واقفیت کے بغیر ممکن نہیں، لہٰذا ترجمہ کی سرگرمیوں کو فروغ دے کر اہم تعلیمی اور تبلیغی ذمہ داری کو ادا کیا گیا۔
2. زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے دیگر اقوام خصوصاً رومیوں، ایرانیوں، چینیوں اور ہندوستانیوں سے تعلقات واجبی سے تھے۔ ظہورِ اسلام کے بعد انہیں نہ صرف یہ کہ تبلیغی مقاصد کے لئے ان اقوام سے گہرے روابط قائم کرنا پڑے بلکہ ان اقوام کی اعلیٰ تہذیبی روایات سے بھی واقفیت ہوئی۔ اس سے ان کے خیالات میں وسعت پیدا ہوئی اور وہ نئے علوم و افکار سے آشنا ہوئے۔ دیگر اقوام کی تہذیبی روایات اور ان کے علوم سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے ضروری تھا کہ

ان کی زبانوں کو سیکھا جائے اور یہ سب کچھ فن ترجمہ کے ارتقاء کے لئے وسیع تر انتظامات کی راہ ہموار کئے بغیر ممکن نہ تھا۔

3. سماجی میدان میں عربوں کا میل جول دور دراز کی اقوام کے ساتھ نہ ہونے کے برابر تھا، ظہورِ اسلام کے نتیجے میں مختلف اقوام سے ان کا میل جول بڑھ گیا۔اس طرح مختلف اقوام کے اختلاط نے عربوں کو مجبور کیا کہ دیگر اقوام کی زبانوں سے واقفیت حاصل کریں۔

4. حکمران طبقہ کی خواہشات اور ترجیحات کا عوام پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ مسلم حکمرانوں خصوصاً عباسی خلفاء نے فن ترجمہ کے فروغ کے لئے بہت سے اقدامات کئے۔ انہوں نے مترجمین کی مالی معاونت کی اور ہر لحاظ سے ان کی سرپرستی کی۔ خلفاء کی نوازشات کی وجہ سے مترجمین نے شبانہ روز محنت کر کے فن ترجمہ کو بامِ عُروج پر پہنچا دیا۔

5. دیگر اقوام کے علمی سرمایہ سے استفادہ کے لئے ضروری تھا کہ اس میں موجود اغلاط و نقائص کی نشاندہی کی جائے اور ان کی اصلاح کی جائے۔اور جہاں ضروری ہو وہاں تشریحی نوٹ تحریر کئے جائیں۔ان مقاصد کے حصول کے لئے فن ترجمہ کی ترویج ضروری امر تھی کیونکہ کسی زبان کو سیکھے اور جانے بغیر اس کی اغلاط کو درست کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے آسان بنا کر پیش کیا جا سکتا ہے۔

6. مسلمانوں کی تاریخ علمِ کلام اور علمِ مناظرہ سے متعلق سرگرمیوں سے عبارت ہے۔کلامی اور مناظرانہ صلاحیتوں کے حصول اور دیگر مذاہب کے عقائدِ باطلہ کے رد کے لئے ضروری تھا کہ وہ زبانیں سیکھی جائیں جن میں دیگر اقوام کی مذہبی تعلیمات موجود تھیں۔ لہٰذا ترجمہ کی صلاحیت حاصل کرنا مسلمانوں کی ایسی علمی ضرورت تھی جس کے بغیر دفاعِ اسلام کا فریضہ انجام دینا ممکن نہ تھا۔

خلاصہ بحث

تمام گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ علمی و فکری ارتقاء کے لئے فعّال اور ہمہ جہت کردار ادا کیا ہے، اس ضمن میں ان کی بے تعصّبی انسانوں کی علمی تاریخ کا ایک روشن باب

ہے۔ مسلمانوں کے قائم کردہ اداروں نے فہم و شعور کی افزائش کے لئے نہ صرف یہ کہ اسلامی مصادر و منابع سے رہنمائی حاصل کی بلکہ قدیم تہذیبوں خصوصاًان کی علمی روایات اوان کے مآخذوں سے بھرپور استفادہ میں بھی کوئی عار محسوس نہ کی۔ قدیم علمی وتہذیبی سرمایہ سے براہِ راست استفادہ کے لئے "ترجمہ" کے فن کو رواج دیا گیا۔ اس فن نے مسلمانوں کی علمی روایت کو احیاء واستحکام بخشا۔ مسلمانوں نے ترجمہ کی سرگرمیوں کو نظم وضبط اور تسلسل وپائیداری عطا کرنے کے لئے باقاعدہ اداروں کی بنیاد رکھی۔ تعلیم و تحقیق کے فروغ کے ضمن میں قائم ہونے والے ان اداروں میں "بیت الحکمت" کی حیثیت بارش کے پہلے قطرے کی سی ہے۔ باقاعدہ، منظّم اور مضبوط بنیادوں پر قائم ہونے والے اس ادارے کو مسلمانوں کا پہلا دار الترجمہ قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ تاریخی اعتبار سے یہ کہنا خلاف حقیقت ہے کہ مسلمانوں میں فن ترجمہ سے متعلق سرگرمیوں کا آغاز "بیت الحکمت" کے قیام سے ہوا، کیونکہ اس علمی روایت کی ابتدا اُموی خلیفہ اور معروف سائنس دان خالد بن یزید کے ہاتھوں ہو چکی تھی۔ لیکن اس فن کی تنظیمی اور ادارہ جاتی حیثیت کی تشکیل کا سہرا یقیناً "بیت الحکمت" کے منتظمین ومترجمین کے سر ہے۔ یوں دورِ جدید کی علمی ترقیوں اور ترجمہ کے ضمن میں حاصل ہونے والی فنی و تکنیکی کامیابیوں کا نقطۂ آغاز یہی ادارہ ہے جس پر ملت اسلامیہ نہ صرف یہ کہ بجاطور پر نازاں ہے بلکہ ازمنۂ حال و مستقبل میں علمی و تحقیقی ارتقاء کے لئے ہونے والی بین الاقوامی کوششوں میں اپنا متحرک و مؤثر کردار ادا کرنے کے لئے پُرعزم و توانا بھی ہے۔ تسلی بخش امر یہ ہے کہ عالمِ اسلام کے تعلیم و تحقیق سے وابستہ اہلِ دانش اس گہرے شعور کی دولت سے مالامال ہیں۔ پاکستانی جامعات کے فیصلہ ساز اداروں اور ان کے دست وبازو کی حیثیت رکھنے والے اساتذہ وطلبہ کی علمی تگ وتاز اور تیز رفتار تحقیقی سرگرمیاں اس شعور وادراک کی موجودگی کا بیّن ثبوت ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

1 شبلی نعمانی، الفاروق: ۴۹۸، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۹۰ء
2 ڈاکٹر حمید اللہ، خطبات بہاول پور: ۳۰۹، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور، ۱۹۷۰ء
3 الفاروق: ۴۱۵

4 مولانا محمد عبدالرزاق کانپوری، البرامکہ: ۲۲۲، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۷ء۔۔ شبلی نعمانی، مقالات ۶: ۴، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، یوپی (س۔ن)

5 ابوالفرج محمد بن ابی یعقوب اسحاق، ابن ندیم الوراق، الفہرست: ۱۹۲، منشورات، آرام باغ، کراچی، ۱۹۷۱ء۔۔۔ البرامکہ: ۲۲۹

6 محمد السید نعیم، فی فلسفۃ الاسلامیہ: ۱۲۲، دارالاحیاء التراث العربی، بیروت (س۔ن)

7 مقالات ۶: ۸۷

8 نفس مصدر

9 الفہرست: ۳۲، ۳۰۳- ۳۰۴، ۴۱۹

10 وِل ڈیورانٹ، اسلامی تہذیب کی داستان: ۱۲۷-۱۲۹، مترجم، یاسر جواد، نگارشات پبلشرز، مزنگ روڈ، لاہور، ۲۰۱۰ء

Philip K Hitti, History of the Arabs, Macmillan Education Limited, London,1993, P. 309-316

11 حاجی خلیفہ، کشف الظنون ۱: ۶۷۹، دارالاحیاء التراث العربی، بیروت (س۔ن)

12 البرامکہ: ۲۱۸-۲۴۴

13 شبلی نعمانی، المامون: ۱۸۲، شیخ مبارک علی اینڈ سنز، ۱۹۸۱ء، لاہور (س۔ن)۔۔۔ احمد شلبی، تاریخ تعلیم وتربیت اسلامیہ: ۸۳، ادارہ اسلامیات، لاہور (س۔ن)

14 موسیو سیدیو فرانسیسی، تاریخ عرب ۲۴۰-۲۴۱، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۶ء

15 اکبر شاہ نجیب آبادی، تاریخ اسلام ۲: ۴۰۴-۴۰۵، مکتبہ خلیل، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۹ء

16 ڈاکٹر عبدالجبار الجومرد، ہارون الرشید ۵۲۰-۵۲۱، اردو سائنس بورڈ، ۲۹۹۔ اپر مال، لاہور، ۱۹۸۶ء

17 البرامکہ: ۲۲۵-۲۲۶

18 ڈاکٹر گستاؤلی بان، تمدن عرب ۵۷۲-۵۷۳، مقبول اکیڈمی، لاہور (س۔ن)

19 ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء: ۲۸۱، بیروت، ۱۹۶۵ء

Philip K Hitti, History of the Arabs, P. 312-316

20 الفہرست: ۳۰۴-۳۰۶۔۔۔ البرامکہ: ۲۲۹

21 انیس الرحمن قاسمی، علمِ طب میں مسلمانوں کی خدمات جلد: ۴۴، شمارہ: ۲، صفحہ: ۹۱، ۹۲، مجلہ: اسلام اور عصرِ حاضر، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی، اپریل ۲۰۱۴ء

22 حکیم سید عبدالحئی، اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں: ۳۹۹، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ۱۹۶۹ء

23 حکیم سید محمد حسان نگرامی، تاریخ طب: ۲۳۸، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۹ء

24 رابرٹ بریفالٹ، تشکیل انسانیت ۲۴۷-۲۴۷، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۹۴ء

25 *Philip K Hitti, History of the Arabs, P. 309*

26 اسماعیل مظہر، تاریخ الفکر العربی: ۱۹۹، القاہرہ، ۱۹۲۸ء

27 الفہرست: ۳۷۴

28 نفس مصدر